السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

الف) شرعی نقطہ نگاہ سے بیت المال کا قیام کیوں کر ہوسکتا ہے اور اس کے شرائط کیا ہیں؟

ب) کیا کسی امیر کے بغیر بیت المال بن سکتا ہے؟

ج) بیت المال مرکز میں ہوتا ہے یا بستی میں؟ بستی کا بیت المال الگ بھی ہوسکتا ہے؟

د) کیا رائج الوقت انجمنیں اپنے خزانہ کا نام بیت المال رکھ سکتی ہیں؟

ھ) کیا کوئی انجمن اپنے بیت المال میں ہر قسم کے صدقات خیرات زکوۃ جمع کرکے اس سے کتابیں چھاپ کر ان کی تجارت کرسکتی ہے؟ شرعا یہ جائز ہے؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علىٰ رسول اللہ، أما بعد!

بیت المال دراصل نام ہے اسلامی خزانہ کا جس کے مختلف شعبے ہوتے تھے۔ اور ہر شعبے کے مثارف جداگانہ اور الگ تھے۔ (جس کا قائم کرنا اور اس کے مصارف پر صرف کرنا واجب تھا اور ہے) مثلا ایک شعبہ بیت الخمس کے نام کا ہوتا ہے جس میں غنائم اور رکاز کے خمس جمع ہوتے تھے دوسرا شعبہ بیت الصدقات کا تھا جس میں زکوۃ وصدقات کے اموال جمع ہوتے تھے۔

تیسرا شعبہ بیت الخراج والجزیہ والفئی تھا۔ چوتھے شعبے لقطے اور لاواث لوگوں کے ترکے جمع ہوتے تھے۔ بیت المال کے قیام کے لیے اسلامی حکومت وامارت کا ہونا شرط نہیں ہے۔ جہاں اسلامی حکومت نہ ہو وہاں بھی بیت المال قائم ہوسکتا ہے اسکے لیے صرف جماعتی نظم اور نظام کا ہونا ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جماعتی کا نظم کا وجود بغیر سردار یا صدر یا امیر یا سربراہ اور اس کی سمع وطاعت کے نہیں ہوسکتا اور اسلام غیر منظم زندگی کا متحمل بھی نہیں پس جس مقام کے مسلمان اس قسم کا نظم قائم کرکے ایک نظام میں مربوط ہوجائیں خواہ اس نظام کو انجمن یا جمعیت کہیں یا کچھ اور یا کوئی نان نہ رکھیں بہر حال وہ اپنے یہاں بیت المال قائم کرسکتے ہیں بلکہ ان کے لیے بیت المال کے بغیر چارہ نہیں۔ موجودہ وقت میں یہاں بیت المابل یمویشیوں کی زکوۃ زمین کی بیدوار کی زکوۃ یعنی عشر نقد سونے اور چاندی کی زکوۃ مال تجارت کی زکوۃ فطرہ چرم قربانی نفلی صدقات لق ٔے اور لاوارث لوگوں کے ترکے جمع ہوسکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ بیت المال کے لیے کوئی خاص عمارت اور مکا ن متعین ہو۔ آں حضرت ﷺ کے زمانہ میں اس کے لیے کوئی مکان نہیں تھ کیوں کہ زکوۃ وعشر اور خراج کی جو رقم آتی تھی وہ فورا تقسیم کردی جاتی تھی جمع اور محفوظ رکھنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر نے بھی اپنی خلافت میں کوئی بیت المال نہیں بنوایا۔ بلکہ جو کچھ آیا اسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا۔ ہاں ابن سعد کی بعض روایتوں سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بیت المال کے لیے مکان خاص کرلیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا۔

سب سے پہلے حضرت عمر فاروق نے بیت المال کی عمارت کی بنیاد ڈالی اور دار الخلافہ (مدینہ منورہ) میں اسلامی خزانہ قائم کیا اور اس کے لیے باقاعدہ افسر اور دوسرے عملہ مقرر کیئے۔ مدینہ کے علاوہ تمام صوبوں اور اہم مقامات میں بھی بیت المال قائم کیئے۔ معلوم ہوا کہ مرکز کے علاوہ دوسرے اہم مقامامات مثلا صوبوں اور ضلعوں میں بھی بیت المال قائم کیئے جاسکتے ہیں۔

ان مقامی وضلعی بیت المالوں یک رقوم کو ان کے مقامی مصارف میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہ مرکز میں منتقل کیا جاسکتا ہے جیساکہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں یہی دستور تھا۔ رائج الوقت اسلامی انجمنیں اور جمعیتیں بلاشبہ اپنے خزانوں کا نام بیت المال رکھ سکتی ہےیں یہ نام اسلمی حکومت کے خزانے کے لیے نصا مخصوص نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل وقرینہ موجود ہے۔ پس مسلمان اس نظم کے تحت جہاں کہیں ہوں رقوم مذکورہ بالا جمع کرکے اس کا نام بیت المال رکھ سکتے ہیں۔ صدقات وخیرات کی رقم فقراء ومساکین ودیگر مصارف منوصوصہ کا حق ہے انجمن یا جمعیت وصول کرکے وکالۃ ان اموال کو ان کے مصارف میں صرف کرنے کی ذمہ داری ہے۔

اس رقم میں ایس تجارت جس میں اصل کے اندر نقصان وخسارہ کا ذرہ بھر بھی اندیشہ ہو قطعا درست نہیں ہے۔ خاص صدقات کی رقم سے تجارت کرنے کے بارے یں خلافت راشدہ کے زمانہ کا کوئی واقعہ نظر سے نہیں گ ارہاں حضرت ابو موسی اشعری امیر بصرہ نے حضرت عمر کے دو صاحبزادوں عبید اللہ اور عبد اللہ کو بطور قرض کے بیت المال کی کچھ رقم جو غالبا جزیہ یا خمس غنائم کی تھی دی تھن کہاس ے تجارت کا مال خرید کرمدینہ لے جائےیں اور فروخت کرکے اصل رقم امیر المومنین کے حوالہ کردیں اور نفع خود رکھ لیں۔ حضرت عمر نے اس کو بسند نہیں کیا بھر بعض مصاحبین کے مشورہ سے اس کو مضاربت قراردے کر اصل رقم اور آدھا نفع بیت المال میں داخل کردیا اور آدھا نفع دونوں لڑکوں کو مضارب ہونے کی حیثیت سے دے دیا۔

بیت المال کی جملہ رقوم اور آ دوخرچ کا باقاعدہ حساب وکتاب رکھنا ضروری ہے اس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے فقہا نے عاملین میں ساعی جامع محافظ سائق راعی حامل حاست کاتب کیال وزان عداد اور دوسرے

اعوان کو داخل سمجھا ہے۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری

جلد نمبر 2۔کتاب الاِمارۃ

صفحہ نمبر 431

محدث فتویٰ